شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدر مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

اکتوبر 2010ء / شوال المکرّم، ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ CPL No. 59 جلد نمبر 2، شمارہ نمبر 10 ☆ قیمت فی شمارہ: مبلغ 12 روپے ☆ سالانہ ممبر شپ: مبلغ 150 روپے

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن: تشریح ... حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٰ فاروقیؒ 2

درسِ حدیث: تشریح ... حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٰ فاروقیؒ 2

اداریہ .... مدیر اعلیٰ 3

جب ارضِ خدا کے کعبے سے .... محمد عباس شاد 3

خطبہ جمعۃ المبارک .... مفتی عبدالخالق آزاد 4

رفتارِ کار .... عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ 7

کرغیزستان: ایک تجزیہ .... مرزا محمد رمضان 8

دینی مسائل .... مفتی عبدالغنی قاسمی 8

حضرت اقدس مولانا

ارشادِ گرامی شاہ **عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''ہم مذہبی سوال بنا کر لوگوں کو آپس میں لڑانے کا موقعہ پیدا کر دیتے ہیں۔ تو قومی حکومت اور آنے والی نسلیں اس بک بک کو ختم کرنے کے لیے (تمام) مذاہب کو ہی ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

چوں کہ سیاست پر آج کل کفر غالب ہے، اس لیے کفر کے راستے سے سیاست آ رہی ہے۔ اور ایسی ہی سیاست کا غلبہ ہوگا تو کفر کے مؤیدات (تائید کرنے والے اُمور) بڑھتے رہیں گے۔ جب دین دار لیڈر نہیں ہوگا تو خواہ مسلمان اور ہندو (میں) کسی طرح (کی) تفریق رہے بھی، مگر ہندو اور مسلمان مذاہب تو ختم ہی ہو جائیں گے۔ اور خالص دہریت کا غلبہ ہوتا چلا جائے گا۔

ہم نے یہ بھی اچھی طرح دیکھ لیا۔ بلکہ خود ہماری تاریخ گواہ ہے کہ اکیلا مذہب سیاست کے بغیر چل نہیں سکتا۔ اور محدود رہتا ہے۔''

(مجلس: ۹رمحرم الحرام ۱۳۶۶ھ، مطابق 4 دسمبر 1946، بمقام: لاہور)

(ارشادات از حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ، ص 127، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، 25 لوئر مال، لاہور)

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)

حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)

حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)

حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)

حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)

محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)

محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)

حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)

محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیر جو گوٹھ)

محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)

محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)

محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)

محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)

حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)

حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)

حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)

حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ)

مین کیمپس لاہور: **رحیمیہ** ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

ریجنل کیمپس کراچی
رحیمیہ ہاؤس 9/A، بینئر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

ریجنل کیمپس سکھر
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ریجنل کیمپس ملتان
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبر شپ کی رقم ''ناظم دفتر'' کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

حجِ اکبر اور اس کی اہمیت

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (3:9)

ترجمہ: ''اور حجِ اکبر کے دن لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اطلاع ہے کہ اللہ اور اس کا رسول بھی مشرکوں سے بیزار ہے۔ تو اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے۔ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو۔''

عوام الناس کا خیال ہے کہ حج جس سال جمعہ کے روز ہو، اس کو ''حجِ اکبر'' کہتے ہیں۔ اور اگر باقی ایام میں ہو تو وہ ''اصغر'' ہے۔ حال آں کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ حج کسی روز ہو، اس کو ''اکبر'' ہی کہا جائے گا۔ البتہ عمرہ کو ''حجِ اصغر'' کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں طوافِ کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ہوتا ہے۔ حجِ اکبر کا اطلاق ''یوم عرفہ'' (9 ذی الحج) پر ہوتا ہے۔ کیوں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا حقیقی اجتماع اُسی روز ہوتا ہے۔ یہی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی رائے ہے۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ نے روایت کیا ہے: ''خطب رسول الله ﷺ عشية عرفة، فقال: اما بعد! فإن هذا يوم الحج الاكبر.'' شبِ عرفہ کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا۔ اور فرمایا: ''یہ حجِ اکبر کا دن ہے۔'' جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ ''حج کیا چیز ہے؟'' تو آپ نے فرمایا: ''الحج عرفة.'' (حج، عرفہ کے دن کا نام ہے) فقہا کے نزدیک اس شخص کا حج نہیں ہوتا، جو تمام ارکانِ حج تو ادا کرلے اور میدانِ عرفات میں نہ جائے۔ اس لیے یہی قول قابلِ ترجیح معلوم ہوتا ہے کہ ''حجِ اکبر'' سے مراد ''یومِ عرفہ'' ہے۔

حج کے اعظم ترین مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع ہوکر خدائے قدوس کی عبادت کے ساتھ ساتھ مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود کی تجاویز پر غور کریں۔ اور مشورہ کرکے ان کے لیے ایک پروگرام (لائحہ عمل) تیار کریں۔ اسلام سے پہلے مشرکین ان ایام حج میں وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ چوں کہ تمام عرب کے نمائندوں کا اجتماع اُسی روز ہوا کرتا تھا۔ اور اس روز کسی چیز کا اعلان کردینا، یہ سمجھا جاتا تھا کہ تمام عرب میں اس کی تشہیر ہوگئی۔ اس لیے فتح مکہ کے بعد حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کو روانہ کیا کہ ایامِ تشریق میں اس اعلانِ جنگ کی اطلاع سب کو کردیں۔ اس روز جن باتوں کا اعلان کیا گیا، ان کو محدثین نے نقل کیا ہے:

(۱) آج کی تاریخ سے جو شخص قرآن کو اپنا قانون نہ مانے گا، اس کو باغی تصور کیا جائے گا۔ اور وہ واجب القتل ہوگا: ''اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ۭ'' (3:9)

(۲) مشرکین کو حجِ بیت اللہ کی اجازت نہ ہوگی: (ولا يحجن بعد العام مشرك.)

(۳) مشرکین ننگے بدن طواف کعبہ کیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ گناہوں سے آلودہ کپڑوں کے ساتھ طواف کرنا جائز نہیں۔ مگر شریعتِ اسلام نے اس غلط خیال کو رد کرکے فرمایا: ولا يطوفن بالبيت عريان. (کوئی آدمی ننگے بیت اللہ کا طواف ہرگز نہیں کرے گا۔)

(۴) قرآن کو نہ ماننے والے جنت میں داخل ہونے کے مستحق نہیں: ولا يدخل الجنة الا مؤمن. (جنت میں سوائے مؤمن کے اور کوئی داخل نہیں ہوگا۔)

(۵) جن کفار نے اب تک عہد توڑنے کا اِرتکاب نہیں کیا، ان کا عہد نامہ قائم رہے گا: أن يتم إلى كل ذى عهد عهده. (جن لوگوں سے معاہدہ ہے، اُسے پورا کیا جائے گا۔)

اس طرح حرمِ مکہ کو مسلمانوں کا ایسا مرکز قرار دے دیا گیا، کہ جس میں وہ حج کے مناسک ادا کریں گے۔ اور اس کے ذریعے سلامتی اور امن کا ایسا اظہار کریں، کہ جو نہ صرف ان کے قومی نظام بلکہ بین الاقوامی نظام کی شناخت ہو۔ اور یوں آئندہ دنیا بھر کے مسلمان اس مرکز سے نظم و ضبط اور امن و امان کی تربیت حاصل کرکے دنیا بھر میں بہترین نظامِ امن قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں۔

دنیا اور آخرت کی محبت

تشریح: حضرت مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

عن أبى موسىٰؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''من أحبّ دنياه، أضر بآخرته. و من أحب آخرته، أضر بدنياه. فآثروا مايبقىٰ علىٰ ما يفنىٰ.''

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے اپنی دنیا سے محبت کی، اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے اپنی آخرت سے محبت کی، اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ اب تم اس چیز کو اختیار کرو، جو باقی رہنے والی ہے۔ اور جو فنا ہونے والی ہے، اُسے چھوڑ دو۔'' (مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، الفصل الثانی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سمجھانے کے طریقے پر غور کیجیے۔ یہ طریقہ رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور کوئی آدمی ایک کڑوی بات کے ساتھ اس طرح شکر نہیں لاسکتا کہ اس کی کڑواہٹ سراسر جاتی رہے۔ اور عقل منداس کے ماننے کے لیے یا کم سے کم اس پر غور کرنے کے لیے بالکل تیار ہوجائے۔ اگر کوئی شخص اس طرح سمجھانے کے بعد بھی غور کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اس کے لیے سوا اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کی عقل میں ضرور فتور آ گیا ہے۔ کہ وہ کام کی نہیں رہی۔ اور اس کے ذہن کے اندر کوئی صاف شفاف چیز نہیں ٹھہر سکتی۔

اس حدیث میں دو چیزوں کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور ان کی قدر و قیمت پر نبوت کی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس سے وہ دونوں عقل کی نگاہ کے سامنے بالکل صاف طور پر نمایاں ہوکر آ گئی ہیں۔ اور دونوں کی بھلائی برائی ان کے چہروں سے صاف جھلک رہی ہے۔ یہ دو چیزیں دنیا اور آخرت ہیں۔ دنیا کیا ہے؟ ''اس چند روزہ زندگی کے لیے، جو موت پر ختم ہوجائے گی، عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے میں مصروفیت''۔ آخرت کیا ہے؟ ''موت کے بعد کی ہمیشہ کی زندگی کے لیے راحت کا سامان اکٹھا کرنے میں مصروفیت''۔ دونوں قسم کے سامان اکٹھا کرنے کا زمانہ یہی زندگی ہے۔ جو وقت محض دنیا کے سامان جمع کرنے میں صرف ہوگا، وہ آخرت کے سامان جمع کرنے کے کام نہیں آسکتا۔ اور جو وقت آخرت کا سامان جمع کرنے میں صرف ہوگا، وہ دنیا کے سامان جمع کرنے کے کام نہیں آسکتا۔ ایک درمیانی اعتدال کی راہ، یعنی اسلام کا سیدھا راستہ، ہی ہے، کہ انسان دنیا کے کام اس نیت سے کرے اور صرف اس طرح کرے، جس سے دنیا اور آخرت دونوں سنورتی ہوں۔ دنیا کے کاموں میں آخرت اور اس کے انجام کو ہرگز نہ بھولے۔

اب سوچنا یہ ہے کہ انسان کا وقت، محنت اور کوشش موت کے بعد ختم ہوجائیں گے۔ اب اگر ان کو دنیا ہی کے لیے مخصوص کردیا تھا تو وہ موت کے ساتھ ہی ختم ہوگئے۔ ایسا انسان مرنے کے بعد خالی ہاتھ رہے گا۔ خیال کرنے کی بات تو یہ ہے کہ مر کر پھر جینا ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے جینا ہے۔ مگر اس کے لیے راحت کا سامان کچھ بھی نہیں۔ نتیجہ ہمیشہ کے عذاب اور درد، دکھ کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔

جس شخص نے دنیا کے راحت و آرام کو مطلوب نہ بنا کر اپنا وقت آخرت کے سامان جمع کرنے میں لگایا اور دنیا کی بے آرامی کی پروا نہ کی تو اس کی بے آرامی چند روزہ ہے۔ موت کے ساتھ ختم ہوجائے گی۔ مرنے کے بعد جو ہمیشہ کی زندگی اسے ملے گی، اس کی راحت و آرام کا سامان، جو دنیا میں جمع کیا تھا، وہ کام آنا شروع ہوگا۔ اس وقت اس شخص کو کس قدر خوشی ہوگی، اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی بات کی طرف اس حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اور انسان سے کہا گیا ہے کہ بندۂ خدا عقل سے کام لے۔ فانی عیش و عشرت میں مست ہوکر ہمیشہ کا عذاب کیوں مول لیتا ہے؟ آنکھیں کھول۔ دنیا کے لیے کوشش چھوڑ۔ اور آخرت کے لیے جتنا ہوسکے، سامان اکٹھا کر۔ وقت یہی ہے، جو کرنا ہے کرلے، اس کے بعد تو یا ہمیشہ کا آرام ہے یا ہمیشہ کا دُکھ۔ (خدا ہماری سمجھ درست کرے۔ آمین)

www.rahimia.org

اداریہ

سیلاب کی تباہ کاریاں اور ملکی نظام کی بدنظمی

حالیہ ملکی تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب اس وقت ملک بھر میں تباہی پھیلا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق کوئی دو سے تین کروڑ افراد بے گھر ہو گئے۔ کئی ہزار کے لگ بھگ موت کے منہ میں جا چکے ہیں۔ گاؤں اور بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے کئی اضلاع میں اس نے بڑی ہمہ گیر تباہی مچائی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سیلابی پانی کی مقدار چودہ پندرہ لاکھ کیوسک تک تھی۔ صرف دو تین ڈیموں میں سما جانے والے پانی نے اس قدر تباہی کیسے مچائی؟ اس پر غور و فکر اور سوچنے کے بہت سے پہلو ہیں۔ نیز اس پہلو سے بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ ملکی نظام اور اس کی انتظامی مشینری اس سیلاب کو سنبھالنے، اس کی تباہی کو کم سے کم کرنے میں مکمل طور پر ناکام کیوں ہوئی؟

ہر ایک حادثہ اور واقعہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے حوالے سے پیدا ہونے والے سوالات کا جائزہ لیا جائے۔ قومی سطح کی اپنی اجتماعی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ادراک کیا جائے۔ اور انھیں دور کرنے کی کوئی صحیح حکمت عملی ترتیب دی جائے۔ ہمارے ملک میں اس طرح کے سینکڑوں واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ سیلابوں سے تباہی آتی ہے۔ لیڈر قتل ہوتے ہیں۔ جنگیں مسلط کی جاتی ہیں۔ فرقہ واریت کی بنیاد پر قتل و غارت گری ہوتی ہے۔ مذہب کے نام پر فسادات برپا کیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے کبھی بحیثیتِ مجموعی ان امور پر اجتماعی سطح پر غور و فکر نہیں کیا۔ اور نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ آخر یہ قدرتی آفات سے نمٹنے کے حوالے سے بدنظمی کیوں ہوتی ہے؟ اور ملکی تباہی و بربادی اور انسانی المیے، نظام حکومت ہونے کے باوجود ہمارے ہاں کیوں جنم لیتے ہیں؟ جب کہ نظام حکومت کی بنیادی ذمہ داری ایسے ہی موقعوں پر انسانی جان، مال اور عزت آبرو کا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔

1947ء سے اب تک کے گزشتہ 63 سالوں میں کم و بیش سیلابوں کا سلسلہ رہا ہے۔ اور ملکی تاریخ کی پہلی اور دوسری دہائی میں ان سیلابوں نے خاصا نقصان بھی کیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر کسی قوم کا نظام حکومت اپنے دریاؤں میں بہنے والے پانی کی صحیح مانیٹرنگ کرنے، اس پانی کو سنبھالنے، اسے زراعت کی ترقی، انرجی کی پیداوار اور ملکی خوش حالی کے لیے استعمال کی صلاحیت سے محروم ہو۔ اور جدید ترقی یافتہ ذرائع و وسائل ہونے کے باوجود اس حوالے سے کوئی حکمتِ عملی بنانے سے قاصر ہو۔ تو اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ ملکی نظام اپنے بنیادی فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مہارت اور صلاحیت سے بہرہ ور نہیں۔

حالیہ سیلاب کے موقع پر حکومت کی بدنظمی، بلکہ انتظامی ہلڑبازی کے جو مناظر سامنے آئے، اس سے پتا چلتا ہے کہ مقتدر طبقات کی خواہشات اور طبقاتی مفاد کی بنیاد پر غریبوں کی ہزاروں بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ دریا کے کناروں پر واقع ''کچے کے علاقوں'' پر ناجائز قابض جاگیرداروں، وڈیروں، سرمایہ داروں اور زرداروں پر مشتمل مقتدر طبقات کے فارم ہاؤسز تو محفوظ رہیں۔ اور دریاؤں سے دور بسنے والی بستیوں، غریبوں کی جھونپڑیوں اور لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے گھر تباہ و برباد کر دیے جائیں۔ ملکی نظام کے نام پر یہ بدنظمی کی انتہا ہے۔ مقتدر طبقوں کی بے حسی، بے حیائی اور انسانیت دشمنی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی کہ ایسے ماحول میں، جب کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام انسانیت کو تباہ و برباد کر رہا ہے، ہماری قومی اور صوبائی حکومتوں پر مسلط ''شریفوں'' اور ''زرداروں'' پر مشتمل لوٹ کھسوٹ کرنے والے ایسے سرمایہ دار طبقات ہیں، جو ملکی ضروریات اور سیلاب زدگان کے لیے اپنی جیب سے ایک پیسہ بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جس ملک میں بھی سرمایہ دارانہ نظام مسلط ہوتا ہے، اس کے لازمی نتائج اسی طرح کی ہمہ جہتی تباہ کاریوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسے ممالک میں بددیانتی، کرپشن، طبقاتی بالادستی، جاگیردارانہ ذہنیت، بے حسی اور انسان دشمنی کا عفریت انسانیت کو نگل رہا ہوتا ہے۔ اور حالیہ سیلاب نے 18 کروڑ عوام کے سامنے ملک پر مسلط اس نظام کی خرابی اور تباہی و بربادی کے پہلو کو مزید واضح کر دیا ہے۔

ایسے حالات میں عوامی سطح پر اس شعور کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے کہ سرمایہ داری نظام کو اس کے پالتو تمام مقتدر طبقات سمیت جڑ سے اکھاڑ کر پھینکا جائے۔ اور اس کی جگہ اسلام کے انسانیت نواز نظام کو غالب کرنے کی جدوجہد و کوشش تیز تر کی جائے۔ تاکہ انسانیت اس عفریت کی تباہ کاریوں سے نجات حاصل کر سکے۔ ایسے ماحول میں اس ظالمانہ نظام کے خلاف واضح شعور رکھنے، اور اسلام کی انسانیت دوست تعلیمات پر مبنی نظام کے درست فہم کو آگے بڑھانے کی ضرورت مزید واضح ہو کر سامنے آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح نظام کی تشکیل کے حوالے سے دینی بصیرت عطا فرمائے۔ اور عقل و شعور سے کام لینے کی توفیق دے۔ آمین

مدیر اعلیٰ

جب ارضِ خدا کے کعبے سے سب بُت اُٹھوائے جائیں گے!

محمد عباس شاد

اخبارات کی ایک نمایاں خبر کے مطابق ''بنگلہ دیشی حکومت نے ہزاروں مساجد اور کتب خانوں سے جماعت اسلامی کے بانی سید مودودی کی تحریر کردہ کتابوں کو نکال دینے کا حکم دیا ہے۔ ان کتابوں کو متنازعہ اور اسلام کی روح سے متصادم قرار دیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے ذریعے برصغیر کے خطے میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ہوا ملنے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے۔'' بنگلہ دیش کے اسلامک فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر جنرل شمیم محمد افضل نے کہا ہے کہ: ''ہم امن چاہتے ہیں جب کہ ان کتابوں سے پرامن معاشرے دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں۔'' مزید برآں بنگلہ دیش کی پارلیمنٹری اسٹینڈنگ کمیٹی آف ایجوکیشن کے چیئرمین راشد خاں مینن نے کہا ہے کہ ''تمام مدارس میں مودودی صاحب کی کتابوں پر پابندی لگانے کی سفارش کی گئی ہے۔'' اس کے علاوہ جماعت اسلامی کے بعض لیڈروں کو 1971ء کے حوالے سے جنگی جرائم کے الزام میں گرفتار بھی کر لیا گیا ہے۔ انتہا پسند حلقے اس کو سیاسی انتقامی کارروائی قرار دے رہے ہیں۔ مگر یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے جتنا اسے قرار دیا جا رہا ہے۔

بنگلہ دیش میں مولانا مودودی (1903-1979) کے لٹریچر پر پابندی کو ایک مخصوص جماعت اور حلقے پر پابندی کی بجائے ایک دوسرے زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ دراصل یہ سرد جنگ کے دور کی ''تعبیر دین'' کی شکست ہے۔ آج یہ تعبیر اپنے انجام کو پہنچ کر دم توڑ رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا مودودی کے لٹریچر کے نتیجے میں بنگلہ دیش میں انتہا پسندی بڑھ رہی تھی۔ اور خطے کے بدلتے ہوئے سیاسی موسم کے لیے اب یہ انتہا پسندی قابل قبول نہیں ہے۔ پاکستان کے تریسٹھ سالہ اَلمیوں کا اگر حقیقت پسندی سے تجزیہ کیا جائے تو اس کی پشت پر دو عوامل، جو سب سے زیادہ مؤثر نظر آتے ہیں، وہ مسلم لیگ کا خودساختہ ''نظریۂ تاریخ'' اور مولانا مودودی کی اختیار کردہ ''تعبیر دین'' ہی ہے، جس کا کیا دھرا آج ہم بھگت رہے ہیں۔ پاکستان میں انتہا پسندی نے انہی دو نظریوں کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔

عرب ممالک میں بھی انتہا پسندی کی وجہ مودودی صاحب کے ہم فکر حسن البنا (1906-1949) اور سید قطب (1906-1966) تھے۔ جن میں اول الذکر اخوان المسلمون کے بانی تھے۔ اور اخوان المسلمون نے ہی مصر کے ایک وزیر اعظم نقراشی پاشا کو قتل کیا تھا۔ جس کے ردّعمل میں حسن البناء بھی قتل ہو گئے تھے۔ اور ثانی الذکر بھی اخوان المسلمون کے رکن تھے۔ اخوان المسلمون نے 1954 میں صدر ناصر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ سید قطب کو حکومت نے قتل کی سازش کے جرم میں پھانسی دے دی تھی۔ القاعدہ کے ایمن الظواہری اور حماس کے راہنما شیخ احمد یاسین کا تعلق بھی اسی اخوان المسلمون سے ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انتہا پسندی کی پشت پر کون سی فکر کارفرما ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ مصر، پاکستان اور بنگلہ دیش میں سے کسی ایک ملک میں بھی اشتراکیت بطور نظام اور سسٹم کبھی نافذ نہیں رہی۔ لیکن حسن البنا اور سید قطب مصر میں اور مولانا مودودی پاکستان اور بنگلہ دیش میں اشتراکیت کے خلاف صف آرا اور سربکف رہے۔ لیکن ان ملکوں میں نافذ سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیرداری پر ان کی تنقید نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلکہ ان کی ''تعبیر دین'' میں لامحدود ملکیت اور جاگیرداری کی پوری پوری تائید موجود ہے۔ اخوان المسلمون نے مصر اور عرب ممالک کی سیاست کو تشدد سے آشنا کیا تو جماعت اسلامی سے وابستہ ''البدر'' اور ''الشمس'' نے بنگلہ دیش میں فوج کے ساتھ مل کر نہتے بنگالیوں کو قتل کیا۔ یہی کام پاکستان میں ہوا کہ مولانا مودودی کے فہم دین رکھنے والوں نے ایک طرف تو تشدد کی سیاست سے تعلیمی اداروں کا ماحول خراب کیا اور دوسری طرف اسلام کے نام پر ضیاء کے بدترین مارشل لاء کی حمایت کی۔

بنگلہ دیش میں حسینہ واجد اور انتہا پسندوں کے درمیان لڑی جانے والی یہ وہی جنگ ہے، جس کا پاکستان میں فوج کو سامنا ہے۔ جن عناصر کو پاکستان میں پرویز مشرف نے شکست دی تھی، انہی عناصر کے ہمنوا شیخ حسینہ واجد کے خلاف صف آرا ہیں۔ بقیہ ص 6

رمضان المبارک

کے اثرات ونتائج اور مقاصد واہداف

خطبہ جمعۃ المبارک

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 04 ستمبر 2009ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تعالیٰ: ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ“ (2:183) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”من صام رمضان إیمانا و إحتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ.“ صدق اللہ و صدق رسولہ النبی العظیم.

معزز دوستو! رمضان المبارک کا یہ برکت والا مہینہ چل رہا ہے۔ اس ماہ مبارک میں اس نظریہ وفکر کو سیکھنے کی جدو جہد کرنی چاہیے۔ جو کہ ہمارے پیارے نبی حضور اکرمؐ اور آپ کی جماعت صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا حصہ تھا۔ دنیا کا اصول یہ ہے کہ کسی کام یا ہنر کو سیکھنے کے لیے اس کام یا ہنر کے ماہرین کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو جو سینئر پروفیسر ہیں، ان کی صحبت میں رہنا ضروری ہوگا۔ ان کو اپنا رہنما ماننا ہوگا۔ ان کی ذہنی، علمی اور عملی صلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر اپنے اندر بھی وہی صلاحیتیں پیدا کرنی ہوں گی۔ اسی طرح باقی شعبوں کے اندر بھی یہی حکمتِ عملی اختیار کی جائے گی تو اس کے نتیجے میں کام کے اندر مہارت پیدا ہو جائے گی۔

ہم دین سیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو مسلمان بنانا چاہتے ہیں تو سچا مسلمان کیسے تیار ہوتا ہے، اسی طرح درست انداز میں دین کو جاننے والا آدمی کیسے بنتا ہے تو اس کے لیے معیار حضور اکرمؐ کا اُسوۂ حسنہ اور صحابہؓ کی زندگی ہے۔ اور پھر چودہ سو سال میں ان کی اتباع کرنے والے سچے اولیاء اللہ اور علمائے ربانیین، جنھوں نے اپنی ساری زندگی ان اعلیٰ مقاصد کے لیے خرچ کر دی، جو مقاصد نبیؐ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی کا اہم ترین حصہ تھے۔ اس لیے ایک مسلمان کو سچا اور اچھا مسلمان بننے کے لیے حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی جدو جہد کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ورنہ وہ سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ خود قرآن مجید نے فرمایا کہ: ”اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ“ (2:13) کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے صحابہ کرامؓ ایمان لائے۔ منافقین کے بارے میں فرمایا کہ حقیقت میں وہ مؤمن نہیں ہیں۔ کیوں کہ بظاہر تو انھوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ ایمان کا لبادہ اوڑھ لیا۔ لیکن ان کا ایمان صحابہؓ کے ایمان کی طرح نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایمان والی جماعت کے لیے معیار صحابہ کرامؓ کا ایمان ہے۔ اب صحابہ کرامؓ کی زندگی کا مقصد اور جدو جہد کیا ہے؟ اس کے لیے حضورؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

رمضان المبارک کے اس بابرکت ماہ میں ہمارے اَخلاق وافعال اور کردار کس نہج پر آگے بڑھنے چاہئیں؟ کون سے مقاصد و اہداف پیش نظر ہونے چاہئیں؟ اس کے لیے آج اُس دور کے اہم رہنماؤں کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ رمضان کے بارے میں جو روایتی اور رسمی طریقہ ہم نے یہاں اختیار کر لیا ہے۔ کیا اس کے ذریعے سے وہ مقاصد واہداف حاصل ہو سکتے ہیں جو کہ صحابہ کرامؓ کی جدو جہد سے حاصل ہوئے تھے؟ جب کہ اس کے لیے معیار حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی زندگی ہے۔ اب رمضان المبارک کے بارے میں قرآن مجید نے جو ارشاد فرمایا اور حضورؐ نے جو عمل کیا اور صحابہ کرامؓ نے جس طرح جدو جہد اور کوشش فرمائی، اس کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رمضان المبارک کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ ”رمضان، وہ عظیم مہینہ ہے، جس میں قران مجید کی کتاب مقدس حضورؐ کے قلب اطہر پر نازل ہوئی۔“ تو عظیم الشان کتاب عظیم الشان نبی کے قلب پر نازل ہوتی ہے۔ اور پھر اس کتاب مقدس کے بارے میں اس حقیقت کی نشان دہی بھی فرمائی کہ اس میں پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ اور دنیا اور آخرت میں کام یابی حاصل کرنے کے قوانین کی نشان دہی کرتی ہے۔ یہ رسمی کتاب نہیں، بلکہ انسانیت کی مکمل رہنمائی اور ہدایت کے لیے قوانین بیان کرتی ہے۔ اب رمضان المبارک کی ایک برکت تو یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کو نازل کیا گیا ہے۔ جب رمضان المبارک کے ایام شروع ہوتے ہیں تو اس وقت تجلیات الٰہی کے خاص قسم کے انوارات کرۂ ارض کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ انسانی قلوب فطری طور پر ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور قرآن حکیم اس خاص توجہ کو ایک خاص رُخ پر لے کر جانا چاہتا ہے۔

اس کرۂ ارض پر قرآن مجید کے نزول کے بعد سب سے بہترین جماعت صحابہ کرامؓ کی ہے۔ ان اعلیٰ انسانوں کے قلوب پر قرآن حکیم نے کیا اثر ظاہر کیا؟ ان کی زندگیوں میں کیا تبدیلی پیدا کی؟ ان حضرات نے اس ماہ میں کون کون سے اعمال سرانجام دیے؟ یہ معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے سامنے حضورؐ کی سیرت کا جامع مطالعہ ہو۔ اس کتاب مقدس کے نزول سے صحابہ کرامؓ کے قلوب پر جو نتائج واثرات ظاہر ہوئے، اس کا مطالعہ ہو۔ اس کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تشکیل دی۔ ان کو ایک طاقت بنا دیا۔ ان میں ایک اجتماعیت پیدا کی۔ نظم وضبط اور ڈسپلن پیدا کیا۔ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے ان میں ہمت اور جرأت پیدا کی۔ اور صحابہ کرامؓ کی اس صلاحیت کا اظہار اُن اہم ترین مواقع پر ہوتا ہے، جو کہ حضورؐ کی انقلابی سیرت کے اہم ترین مقامات ہیں۔

حضورؐ کی تیئیس سالہ زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔ جو کہ نبوت ملنے سے وفات تک کا دور ہے۔ آپؐ کی اس زندگی میں کچھ اہم ترین مواقع آتے ہیں، جن کا بہت گہرا تعلق رمضان المبارک کے ساتھ ہے۔ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ حضورؐ ربیع الاول میں پیدا ہوئے۔ جب آپؐ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کو سچے خواب آنا شروع ہو گئے۔ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ شروع والے چھ ماہ میں آپؐ کو سچے خواب آنا شروع ہو گئے۔ اور غار حرا میں آپؐ نے جانا شروع کر دیا تھا۔ جہاں پر آپؐ خلوت اختیار کرتے اور اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ تو گویا کہ ربیع الاول سے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو کہ چھ ماہ تک رہا۔ اس کے بعد رمضان المبارک میں آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوتی ہے۔ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوتی ہیں۔ اور پھر اس رمضان سے لے کر جس میں وحی کا آغاز ہوتا ہے، اس عظیم الشان رمضان تک کہ جس میں حضورؐ اور آپ کی تیار کردہ جماعت مکہ کی طاغوتی سامراجی طاقت کا خاتمہ کرتی ہے۔ رمضان المبارک کے یہ ایام وہی ہیں، جن ایام میں قرآن حکیم کا نزول شروع ہوا تھا۔

آپ دیکھیں کہ اس پہلی سورۃ العلق میں واضح طور پر اس بات کا اعلان کیا گیا تھا کہ: ”كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓى“ (96:6) خبردار! جو آدمی سرکشی والا عمل کرے گا تو اس کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا کہ اس انسان نے ظلم کر رکھا ہے۔ استحصالی نظام قائم کر رکھا ہے۔ اگر یہ انسان اپنے اس غلط رویے سے باز نہیں آتا تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچ لو۔ یہ ابوجہل اس قابل نہیں کہ حجاز جیسے ملک کا حکمران بن سکے۔ یہ قیصر وکسریٰ اس صلاحیت کے حامل نہیں کہ انسانیت کے سربراہ بن سکیں۔ ان کو حکمرانی کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ: ”كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ“ (96:15) اگر یہ ظلم سے باز نہ آئیں تو ان کی پیشانی پکڑ کر ان کو گھسیٹ لیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ان کا ظلم برداشت کر لیا جائے؟ نہیں! بلکہ ظلم کو برداشت کرنے کے بجائے ان ظالموں کو اپنی گرفت میں لایا جائے۔ مکہ کے کمزور اور مظلوموں کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ یہ سردار ابوجہل کی پیشانی ہے۔ اس کی پیشانی تو بڑی مقدس ہوگی۔ عرب سردار اپنی پیشانیوں پر بڑی عمدہ قسم کی خوشبو لگاتے تھے۔ اور کسی انسان کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اس کے سر کو چھو سکے۔ تو قرآن نے فرمایا کہ: نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (96:15) نہیں! یہ پیشانی مقدس نہیں بلکہ یہ پیشانی جھوٹی اور مجرم ہے۔ اس نے انسانیت کو ظلم کی چکی میں پیس رکھا ہے۔ اور یہ خدا کی منکر ہے۔ یہ اس بات کے حق دار نہیں کہ اس کی عزت کی جائے۔ اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ اُٹھو اور اس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹ لو۔

گویا کہ قرآن حکیم کی نازل ہونے والی پہلی سورۃ معاشرے میں ظالموں کے خلاف انقلاب کا نظریہ پیش کر رہی ہے۔ رمضان المبارک میں برکات کے اظہار اور تجلیات کے نتائج اور انوارات الٰہیہ

www.rahimia.org

کے اثرات یہ پیدا ہو رہے ہیں کہ وہ انسانی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے، معاشرے میں انقلاب لانے اور طاغوتی طاقتوں کا خاتمہ کرنے کا نظریہ دے رہے ہیں۔ گویا کہ رمضان کا پہلا اثر اور نتیجہ قرآن حکیم کا نزول ہے۔ اور پھر قرآن حکیم کی پہلی سورۃ ایک نظریہ واضح کر رہی ہے کہ ایک روزے دار کے نظریے میں کیا تبدیلی آنی چاہیے۔ قرآن حکیم نے وہ تبدیلی متعین فرما دی۔ کیا ایک روزہ دار صرف یہ کرے کہ صبح کو پیٹ بھر کر سحری کھائے۔ شام کو خوب ڈٹ کر افطاری کرے اور سارا دن سو کر گزار دے اور چند رسمی اعمال کرتا رہے۔ ایسا ہرگز نہیں! بلکہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ اس کا نظریہ ہونا چاہیے کہ اگر اس کے ماحول میں طاغوتی نظام موجود ہے تو اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ اگر وہ ظالم اپنے ظلم سے باز نہ آئے تو روزے دار کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹ لے۔ وہ ظالم زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالے گا۔ اپنی طاقت کا استعمال کرے گا۔ اپنی فوج لے کر آئے گا۔ قرآن حکیم نے فرمایا کہ: فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ (96:18-17) اس کو کہو کہ ''وہ اپنا لشکر وغیرہ بلا لے اور اپنی سیاسی طاقت وقوت کا استعمال کر لے۔ ہم بھی اپنی سیاسی طاقت میدان میں لائیں گے۔'' حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ''زَبَانِيَةَ'' کا ترجمہ ''سیاسی پیادے'' کیا ہے گویا کہ ہم بھی تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی جماعت میدان میں لائیں گے۔ لیکن ایک بات طے شدہ ہے کہ: ''كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ'' (96:19) اس ظالم کی اطاعت نہیں کرنی۔ اس کے نظام کو قبول نہیں کرنا۔ بلکہ اس نظام کے خلاف انقلاب برپا کرنا ہے۔ اس کو راستے سے ہٹانا ہے۔

آپ دیکھیں کہ جو آیات غارِ حرا میں اور رمضان المبارک میں نازل ہو رہی ہیں۔ اور ان آیات میں جو ہدف اور مقصد متعین کیا گیا ہے کہ دشمن اپنا لشکر لے کر آئے گا۔ تو اس کے مقابلے میں ہم بھی اپنی سیاسی قیادت پیدا کریں گے۔ تیرہ، چودہ سال کے بعد میدانِ بدر میں یہی منظر سامنے آتا ہے کہ جو مشن اور مقصد حضورؐ کو سونپا گیا، وہ پورا ہوا۔ آغازِ وحی کے موقع پر کہ آپؐ نے بھی دشمن کے مقابلے میں اپنی سیاسی قوت پیدا کرنی ہے۔ اور وہ دشمن بھی اپنی طاقت لائے گا۔ کیا میدانِ بدر میں ابوجہل سارے مکے کے سرداروں کو جمع کر کے نہیں لایا۔ آپ اس آیت کے تناظر میں حضورؐ کی تیرہ سالہ مکی زندگی کا مطالعہ کریں تو اس پورے عرصے میں حضورؐ نے ان آیات کے ہدف پر عمل کیا ہے۔ آپ نے دشمن سے مقابلے کے لیے ایک جماعت تیار کی ہے۔ جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور مہاجرین وانصار شامل ہیں، جس نے بدر کے میدان میں ابوجہل کے لشکر کا مقابلہ کیا۔

رمضان المبارک میں حضورؐ کو ایک مشن اور ہدف سونپا گیا۔ اور آپؐ اس نظریے کو مکمل کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد فرماتے رہے۔ اور دشمن کے لشکر اور نظام سے پہلا مقابلہ رمضان المبارک کے ہی مہینے میں میدانِ بدر میں ہوتا ہے۔ اور اس میدان میں پہلا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن کے ستر (70) بڑے بڑے سردار راستے سے ہٹا دیے گئے۔ اور ستر سردار گرفتار کر لیے گئے۔ باقی لشکر پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت نے رمضان المبارک میں بدر کی طرف یہ سفر شروع کیا۔ یہ سفر مشکل بھی تھا۔ کیوں کہ پہاڑوں سے ہو کر جاتا تھا۔ تو گویا کہ رمضان المبارک نے صحابہ کرامؓ کے قلوب میں کیا نتائج پیدا کیے۔ جرأت، ہمت، بہادری، ثابت قدمی، عقل وشعور اور دشمن سے مقابلے کی درست حکمتِ عملی اختیار کرنے کے نتائج پیدا کیے۔ ان میں بزدلی پیدا نہیں ہوئی۔ انھوں نے رسمیت اختیار نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے وہ مقصد اور ہدف حاصل کیا، جو کہ حضورؐ کو پہلی وحی کے موقع پر دے دیا گیا تھا۔ کہ اگر ظالم طبقہ باز نہ آئے تو ان کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹو۔ اور راستے سے ہٹاؤ۔ اور یہ سارا منظر میدانِ بدر میں صحابہ کرامؓ کی جماعت نے عملاً دکھایا۔ ستر سرداروں کے مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے ظالمانہ نظام کی ریڑھ کی ہڈی توڑ کر رکھ دی۔

ابوسفیان کے قافلے کی شکل میں مکہ کے نظام کی بچی ہوئی طاقت، اگرچہ اگلے آٹھ نو سال تک مسلمان جماعت کی مزاحمت کرتی رہی، لیکن 10 رمضان المبارک کو حضورؐ اور آپ کی جماعت مکہ مکرمہ فتح کر لیتی ہے۔ گویا کہ جو ہدف حضورؐ کو غارِ حرا میں دیا گیا تھا، اس پر آپؐ نے ایک جماعت تیار کی۔ اور اس کے عملی کام کا آغاز جنگِ بدر کی شکل میں رمضان المبارک ہی میں ہوتا ہے۔ اور اس انقلاب کی تکمیل بھی فتح مکہ کی شکل میں رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضورؐ کی جماعت مکہ کے قریب پہنچتی ہے تو ابوسفیان اور اس کی پارٹی کو علم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی پوری جماعت مکہ پہنچ گئی ہے۔ تو حالات معلوم کرنے کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ حضورؐ سے ملاقات ہوتی ہے۔ ابوسفیان حضورؐ پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور قافلے مکے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہر ایک قبیلے کی اپنی اجتماعیت اور شناخت ہے۔ اور اس کا اپنا جھنڈا ہے۔ یہ درحقیقت ''زَبَانِيَةَ'' (سیاسی پیادے) ہیں۔ جن کی تعداد بدر میں 313 تھی۔ اور مکہ فتح کرتے وقت ان کی تعداد 10 ہزار کے قریب ہے۔ رمضان المبارک میں مکہ فتح ہوا تو دشمن طاقت نے اپنے آپ کو حضورؐ اور آپؐ کی جماعت کے سپرد کر دیا۔ اور اس بات کو تسلیم کیا کہ جو سلوک فاتح فوج، مفتوح کے ساتھ کرتی ہے، وہی آپ ہمارے ساتھ کر سکتے ہیں۔ لیکن حضورؐ نے ان کے جواب میں فرمایا: نہیں! اصل مقصد قتل وغارت گری کرنا نہیں ہے۔ بلکہ آج رحمت و شفقت، انصاف اور انسانیت کی کام یابی کا دن ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ مرعوبیت سے نکلیں۔ طاغوتی نظام کے اثر سے نکلیں۔ رسمی ماحول سے نکلیں۔ ایک نظریہ قائم کریں۔ اس پر ایک تنظیم پیدا کریں۔ اور پھر معاشرے میں تبدیلی کے لیے جدوجہد کریں۔ یہی رمضان کا پیغام ہے۔

حضورؐ کی نبوت کی زندگی میں یہ تین اہم ترین مواقع ہیں۔ ایک تو آغازِ وحی کا موقع، جب آپؐ کو ایک ہدف اور مقصد دیا گیا۔ اور دوسرا جنگِ بدر کا میدان، جب اس ہدف کو حاصل کرنے کا آغاز ہوا۔ اور تیسرا فتح مکہ کا دن، جب اس مقصد کی تکمیل قومی سطح پر ہوئی۔ یہ تینوں مواقع رمضان المبارک میں آتے ہیں۔ حضورؐ کی زندگی کے یہ اہداف ومقاصد رمضان المبارک کے حوالے سے تمام مسلمانوں کے پیش نظر رہنے چاہئیں کہ وہ رمضان المبارک کو کیسے گزاریں اور رمضان میں اپنی زندگی میں کیسی تبدیلی پیدا کریں۔ یہی وہ مقاصد ہیں، جو کہ تابعین اور تبع تابعین اور تمام اولیاء اللہ کے پیش نظر رہے کہ انھوں نے رمضان میں یکسوئی اختیار فرما کر اپنے لیے اہداف کا تعین کیا کہ انسانیت کی کام یابی کے لیے کیسے کوشش کرنی ہے۔ ان کے قلوب کو بدلنا ہے۔ ان کو درست راستے کی طرف چلانا ہے۔

قریب کے زمانے میں آپ دیکھیں کہ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے دور میں حکمران اداروں پر گہری نظر رکھی۔ اور ان کو درست کرنا اپنا ہدف قرار دیا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دیکھا کہ ان کے ماحول میں اصل خرابی کہاں پر ہے تو آپ نے ہدف متعین کیا کہ خرابی سسٹم میں ہے۔ لہٰذا آپ ''فکّ کُلِّ نِظام'' (ہر فرسودہ نظام کو توڑنے) کا اعلان فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان سے قبل خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد (خواجہ عثمانؒ) کے پاس رہ کر تربیت حاصل کی تو آپ نے اپنا ہدف متعین کر لیا۔ اس وقت کا بغداد جیسا ترقی یافتہ شہر چھوڑ کر اپنی دعوت کا میدان ہندوستان کو قرار دیا۔ چناں چہ آپ ہندوستان میں آ کر ایک جنگل میں بیٹھ جاتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے پیش نظر ایک اعلیٰ ہدف اور مقصد ہے کہ یہاں کے ظالمانہ سسٹم اور نظام کو توڑ کر مظلوم انسانیت کو ظلم سے آزادی دلوانی ہے۔ چناں چہ یہی ہوا کہ آپ کی جدوجہد سے پرتھوی راج کو شکست ہوتی ہے۔ اور سلطان شہاب الدین غوریؒ ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علی ابن عثمان ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش غزنی سے سلطان محمود غزنویؒ کے لشکر کے ساتھ لاہور آتے ہیں تو آپ کے پیش نظر بھی ایک اعلیٰ مقصد ہے۔ آیاتِ مذکورہ کی روشنی میں آپ نے اپنی زندگی کا مقصد متعین کر لیا کہ لاہور کے ظالمانہ نظام کو توڑنا ہے۔ یہاں کے مظلوم انسانوں کو آزادی دلوانی ہے۔ اس کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنی ہے۔ آپ دیکھیں کہ یہ اولیاء اللہ

www.rahimia.org

جب کسی معاشرے میں تشریف لے جاتے ہیں تو اپنا ایک ہدف متعین کر لیتے ہیں۔ کسی ولی کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیں۔ اگر اس نے کسی جگہ پر ڈیرہ ڈالا ہے تو وہاں کے ظلم و ستم کے ماحول کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی ہے۔ ان تمام اولیاء اللہ کے پیشِ نظر وہی ہدف ہے۔

ایک بڑا دھوکہ ہے اور غلط فہمی یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ بعض بزرگ اور اولیاء اللہ تو محض خلوت اختیار کرتے رہے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک تربیت کا مرحلہ ہوتا ہے، جو کہ ضروری ہوتا ہے، لیکن یہ ایک عارضی مرحلہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ڈاکٹر جب اپنی پڑھائی کے دوران سال کے آخر میں پہنچتا ہے تو سارے لوگوں سے کٹ کر اپنے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اگر وہ میڈیکل کا کورس کرنے کے بعد بھی لوگوں کا علاج نہ کرے، بلکہ کتابیں پڑھتا رہے اور دیگر خلوت کے کام کرتا رہے تو وہ اپنا مقصد پورا نہیں کر رہا۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور خاص کر حضورؐ نے ابتدا میں خلوت اور یکسوئی اختیار فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پختہ ہو جائے۔ اور اس کی بنیاد پر معاشرتی ذمہ داریوں کو بہتر انداز میں پورا کیا جا سکے۔

آپ دیکھیں کہ ہمہ گیر سماجی تبدیلی کی یہ سوچ اصل میں قرآنی تعلیمات اور رمضان المبارک کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔ قرآنی تعلیمات کی وجہ سے انسانی زندگی میں تبدیلی کا عمل ضروری ہے۔ اب یہ تبدیلی کا عمل انسانی قلب، نفس اور عقل تینوں میں ہونا ضروری ہے۔ تا کہ ایک انسان گرد و پیش کے حالات کا مشاہدہ کر کے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔ عقل اس میں دھوکہ نہ کھائے۔ قلب بزدلی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور نفس غلط خواہشات کا مطالبہ نہ کرے۔ تو جب عقل درست شعور حاصل کرے اور قلب اس کے مطابق ہمت و جرأت کے ساتھ فیصلے کرے۔ اور نفس خواہشات سے بچنے لگ جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تربیت کے نتائج ظاہر ہونے لگے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ ہمارے نفس کی خواہشات کو کنٹرول کرنے اور قلب میں جذبہ بیدار کرنے اور عقل میں صلاحیت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تمام عبادات، اعمال اور احکام شرعیہ کا مقصد انسان کی ان تینوں صلاحیتوں کو نکھارنا ہے۔ انسان کے نفس، قلب اور عقل میں صلاحیت و استعداد پیدا کرنا ہے۔ اور اس کو اللہ سے جوڑنا ہے۔ اس میں انسانیت دوستی کی سوچ پیدا کرنا ہے۔

آپ دیکھیں کہ یہ ہندوستان غلام بنتا ہے۔ یہاں سامراجی سسٹم قائم ہوتا ہے۔ انگریز کا تسلط ہوتا ہے تو وہ اولیاء اللہ جو بظاہر کسی ''تکیہ'' اور گوشہ میں ہیں اور خانقاہوں کا حصہ ہیں، وہ باہر نکل کر اپنے دور کے دشمن کا تعین کرتے ہیں۔ اور دور کے طاغوت کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آتے ہیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھ دیگر حضرات کی جدوجہد اس حوالے سے ہمارے سامنے آتی ہے۔ آج اصل میں ''ولایتِ نبوت'' کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کا تذکرہ سید صاحبؒ نے اپنی کتاب ''صراطِ مستقیم'' میں کیا ہے۔ انبیاؑ کے راستے پر چل کر جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ جب سسٹم درست ہو تو اَخلاق کی تعلیم دینے اور اعمال کی ترغیب دلانے کے لیے ''ولایت'' کا ایک طریقہ رہا ہے۔ لیکن جب سسٹم اور ماحول خراب ہو جائے اور جھوٹ اور طاغوت کا نظام غالب آ جائے تو اس وقت میں اولیاء اللہ کی ذمہ داری کیا ہے کہ وہ میدان میں نکلیں اور ''ولایتِ نبوت'' کو زندہ کریں اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو زندہ کریں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تک تمام اولیا نے حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے اس ''اُسوۂ حسنہ'' کو زندہ کیا، جب کہ طاغوت کا غلبہ تھا۔ یہی ان حضرات کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔ آپ دیکھیں کہ پورا ماحول غلامی میں جکڑا ہوا ہو۔ طاغوت کا غلبہ ہو۔ اور ایک مسلمان سورۃ العلق کی ابتدائی آیات پڑھتا ہو۔ تو اس کی ذمہ داری بن جاتی ہے کہ اس نے اس دشمن کے خلاف جدوجہد اور کوشش کرنی ہے۔ ان آیات کو پڑھنے کے باوجود اگر وہ مرعوبیت کا شکار ہو۔ ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دے۔ تراویح میں قرآن پاک کی تلاوت تو سنتا ہے، لیکن اس کا اثر اور نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا تو یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے کا یہ اثر ہونا چاہیے کہ مرعوبیت سے نکلیں۔ طاغوتی نظام کے اثر سے نکلیں۔ رسمی ماحول سے نکلیں۔ ایک نظریہ قائم کریں۔ اس پر ایک تنظیم پیدا کریں۔ اور پھر معاشرے میں تبدیلی کے لیے جدوجہد کریں۔ یہی رمضان کا پیغام ہے۔

اگر ہم سچے اولیاء اللہ کی تعلیمات کو سامنے رکھیں گے تو یہ نتیجہ ظاہر ہوگا۔ اور اگر رسمی طور پر روایتی انداز میں ہم رمضان گزاریں اور کوئی نظریہ نہ ہو، مرعوبیت کا شکار ہو جائیں، اسی غلط نظام کے آلہ کار بن جائیں، تو سوائے ذلت اور رُسوائی کے اور کچھ نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا۔ آخر 17 کروڑ مسلمانوں میں سے ایک بہادر اور مخلص جماعت تیار کر کے ہم تبدیلی کا عمل کیوں نہیں اپنا سکتے۔ دنیا میں قوموں نے اپنے اہداف و مقاصد متعین کر کے جماعت تیار کی۔ اور پھر اپنے معاشرے میں تبدیلی پیدا کر لی تو ایک مسلمان جماعت یہ کام کیوں نہیں کر سکتی۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس ایک بلند نظریہ اور حضورؐ کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کا اُسوہ بھی موجود ہے۔ اب ایسے موقع پر ایک تو ہمارے سامنے اولیاء اللہ کا راستہ ہے۔ اور دوسرے اولیاء الشیطان کا راستہ ہے۔ ہم نے ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے اور اس کا فیصلہ کرنا ہے۔

رمضان المبارک کے اس ماہ میں ہم نے یہ عزم اور ارادہ کرنا ہے کہ ہم نے سچی جماعت کے ساتھ وابستہ ہونا ہے۔ اگر چہ ہم کمزور اور تھوڑے ہیں۔ ہم نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تک جو اولیاء اللہ گزرے ہیں، ان کا دامن پکڑنا ہے۔ سامراج خواہ کتنا طاقت ور ہو جائے اور چھا جائے۔ اس سے مرعوب نہیں ہونا۔ اگر اندھیرا چھا جائے تو کیا اسے قبول کر لیا جائے؟ روشنی کو تلاش نہ کیا جائے؟ نہیں! بلکہ ہمیں اولیاء اللہ سے وابستہ ہو کر ان کے اَخلاق و کردار کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا ہے۔ جھوٹی جماعتوں سے برأت کا علان کرنا ہے۔ یہ ساری باتیں رمضان المبارک کے نتیجے میں ہم نے حاصل کرنی ہیں۔ خاص کر حاضرین جمعہ کے لیے یہ بڑی خوش بختی ہے کہ ہمیں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی صحبت میسر ہے۔ اس کو غنیمت خیال کرنا اور اپنے نظریے کو درست کرنا ہے۔ اور سچی جماعت سے وابستہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سچے اولیاء اللہ کی اتباع کرنے اور ان سے فائدے اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور صحیح نظریے پر درست عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

(بقیہ ''جب ارضِ خدا کے کعبے سے'') دراصل اب پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش سے انتہا پسندانہ سیاست کے خاتمے کا وقت آ پہنچا ہے۔ یہ خطہ رواداری اور برداشت کی سیاست کی ایک لمبی تاریخ رکھتا ہے۔ انگریز کی آمد کے بعد اور خصوصاً سرد جنگ کے دور میں انتہا پسند اسلام متعارف کروایا گیا۔ اور اسے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ اب آخری مرحلہ ہے کہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑنا چاہ رہا ہے۔ جس طرح کے حالات پاکستان میں 1999ء کے بعد پیش آئے ہیں، اسی طرح کا موڑ 1992ء کے بعد بنگلہ دیش کی سیاست میں بھی آ چکا تھا 1992ء میں فوجی حکومت کے خاتمے کے بعد قوم پرست قوتیں منظّم ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔ اور انھوں نے 1971ء کے جنگی مجرموں کو گرفتار کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔ قوم پرست قوتیں عوامی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہی ہیں۔ بنگلہ دیش میں حکومت کا یہ فیصلہ قومی اور عوامی حق میں سیاسی کروٹ کا مظہر ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ اس طرح کا کوئی اقدام پاکستان کی قومی سیاست میں بھی ناگزیر ہو جائے۔ کیوں کہ انتہا پسندی نے پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ اور اسے زیادہ دیر تک برداشت کرنا خطرناک ہے۔ اب تک تو پاکستان میں اسلام کے حقیقی فکر کے حامل علمائے حق کو پیش کرنا بہت مشکل تھا مگر اب سچائی نے اپنی ناگزیریت کو خود ہی واضح کر دیا ہے۔ آج پاکستان کا ہر فرد امن و آشتی، محبت و رواداری کے اسلام کا متلاشی ہے۔ خود ساختہ نظریہ سازوں کے بنائے ہوئے بت توڑے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے انھیں سجدے کرتے رہنے سے انکار کر دیا ہے۔ اور تاریخ کی انسانیت دوست شخصیات کے فکر اور لٹریچر کی اہمیت کو تسلیم کیا جا رہا ہے۔ اور ان کی روحیں نغمہ سنج ہیں، ع

جب ارضِ خدا کے کعبے سے سب بُت اُٹھوائے جائیں گے
ہم اہلِ صفا مردُود حرم مسند پر بٹھائے جائیں گے

www.rahimia.org

رفتارِ کار

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ العالی کا دورۂ کراچی

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کی زیرنگرانی مانسہرہ میں دورۂ تفسیر کا اہتمام

اس سال مؤرخہ 23 جولائی سے 30 جولائی تک مانسہرہ میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کی زیرنگرانی دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا اہتمام کیا گیا۔ جامع مسجد قبا، نزد جنرل بس اسٹینڈ، مانسہرہ میں اس دورۂ تفسیر کا انعقاد کیا گیا تھا۔ جس میں صوبہ خیبر پختونخواہ کے تمام اضلاع سے کثیر تعداد میں نوجوان تعلیم یافتہ احباب نے شرکت کی۔ یہ دورۂ تفسیر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی میں منعقد ہوا۔ اس کے لیے حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اور ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ حضرت مفتی عبدالخالق آزاد لاہور سے خصوصی طور پر مانسہرہ تشریف لائے۔

مؤرخہ 22 جولائی سے اس دورۂ تفسیر میں شرکت کے لیے احباب آنے شروع ہو گئے تھے۔ 23 جولائی کی صبح کو آنے والے احباب کے لیے استقبالیہ وانتظامیہ کے تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے تھے۔ چناں چہ اس روز نمازِ جمعۃ المبارک سے پہلے جامع مسجد قبا حاضرین سے بھری ہوئی تھی۔ اس موقع پر نمازِ جمعہ سے قبل قرآن حکیم سے فہم وشعور حاصل کرنے اور اس کی بنیاد پر اپنے دور کے مسائل حل کرنے کے حوالے سے حضرت مفتی عبدالخالق آزاد نے خطاب فرمایا، خطبہ جمعہ دیا اور نمازِ جمعہ پڑھائی۔ نمازِ جمعہ کے بعد دورۂ تفسیر کے حوالے سے افتتاحی نشست کا آغاز ہوا۔ جس میں قرآن حکیم کی تفسیر سے متعلق بنیادی اساسی اصول اور اس کی غرض وغایت پر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد نے پہلا درس دیا۔ اور پھر سورۃ الفاتحہ کی تفسیر حضرت مولانا مفتی مختار حسن صاحب نے بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد مسلسل ایک ہفتے تک نمازوں، کھانے اور آرام کے وقفوں کے علاوہ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا تفسیری خلاصہ بیان کیا جاتا رہا۔ اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات کے لیے گروپ ڈسکشن اور پینل مذاکروں کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم کی تفسیر پڑھانے والوں میں حضرت مفتی عبدالخالق آزاد، حضرت مولانا مفتی مختار حسن، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی، حضرت مولانا ڈاکٹر تاج افسر، حضرت مولانا قاضی محمد یوسف اور مفتی نصر اللہ ناصر خطیب جامع مسجد قبا مانسہرہ تھے۔

اس دوران دینی موضوعات پر لیکچرز کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد تمام احباب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری سے استفادہ کرتے رہے۔ نوجوان احباب سوالات کرتے تھے۔ اور حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ ان کے تفصیلی جوابات دیتے تھے۔ اور پھر روزانہ بعد از نمازِ مغرب مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا رہا۔ جس میں شہر بھر اور اطراف کے بہت سے متعلقین و متوسلین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور اور دیگر احباب شرکت کرتے رہے۔

مؤرخہ 29 جولائی کو بعد نمازِ عصر قرآن حکیم کی آخری سورتوں کا درس مولانا مختار حسن صاحب نے دیا۔ اور اختتامی دعا حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے فرمائی۔ عشا کی نماز کے بعد دورۂ تفسیر میں شریک ہونے والے احباب کا امتحان اور جائزہ لیا گیا۔ اور کام یاب ہونے والے ساٹھ کے قریب طلبا اور طالبات میں اگلے روز ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کی جانب سے انعامات واسناد تقسیم کی گئیں۔

مؤرخہ 30 جولائی کو تقریبِ تقسیم اسناد منعقد ہوئی۔ جس میں جمعہ کی نماز سے قبل حضرت مولانا مختار حسن صاحب اور حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب نے ''عظمتِ قرآن کی اہمیت'' پر خطابات فرمائے۔ خطبہ جمعہ اور نمازِ جمعہ حضرت مفتی عبدالخالق آزاد نے پڑھائی۔ نماز کے بعد طلبا میں انعامات اور اسناد تقسیم کی گئیں۔ اس موقعے پر حضرت اقدس رائے پوری نے تمام احباب کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ اور حضرت مفتی عبدالخالق آزاد نے جامع مسجد قبا کی انتظامیہ خاص طور پر جناب قاری محمد ایاز جدون، ان کے والد گرامی اور ان کے برادران کا شکریہ ادا کیا اور ان کو مبارک باد پیش کی کہ انھوں نے ادارہ کی نگرانی میں اپنے ہاں کام یاب دورۂ تفسیر کا انعقاد کرایا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

مؤرخہ 31 جولائی کو حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری اور ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ اسلام آباد سے بذریعہ جہاز کراچی پہنچے۔ تقریباً ایک بجے دوپہر کراچی ائیر پورٹ پر کراچی ریجن کے احباب نے ان حضرات کا استقبال کیا۔ ائیر پورٹ سے سیدھے ادارہ رحیمیہ کراچی کیمپس میں تشریف آوری ہوئی۔ یہاں بھی کافی احباب استقبال کے لیے جمع تھے۔ تمام احباب نے حضرت اقدس سے مصافحہ اور ملاقات کی۔ شام کو مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب بھی لاہور سے کراچی پہنچ گئے۔ اس کے بعد ایک ہفتہ تک حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ اور ان حضرات کا کراچی میں قیام رہا۔ اس دوران مختلف پروگرام منعقد ہوتے رہے۔ جس میں کراچی کے احباب نے بھرپور شرکت کی۔

کراچی میں قیام کے دوران روزانہ دن بھر ملاقات کے لیے آنے والے احباب سے مختلف دینی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ سے احباب استفادہ کرتے رہے۔ اور روزانہ بعد از نمازِ مغرب مجلس ذکر کا اہتمام ہوتا رہا۔ جس میں پورے شہر سے سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور سے وابستہ متعلقین ومتوسلین اور نوجوان احباب بڑے ذوق وشوق سے شرکت کرتے رہے۔ اور پھر ذکر کے بعد مختلف موضوعات پر حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی اور ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ کے بیانات ہوتے رہے۔ خاص طور پر ذکر کی اہمیت اور قرآن حکیم کی روشنی میں اپنے سماجی مسائل حل کرنے کے حوالے سے بیانات ہوئے۔ اور پھر سوال وجواب کی نشست بھی ہوتی رہی۔ اس طرح کراچی کے احباب نے حضرت اقدس کے کراچی میں قیام سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اگرچہ کراچی کے حالات کی خرابی کی وجہ سے احباب کے لیے کافی مشکلات تھیں۔ لیکن پھر بھی بڑی ہمت اور جذبے کے ساتھ انھوں نے حضرت اقدس مدظلہ العالی کے فیوضات وبرکات سے استفادے کے لیے بھرپور کوشش کی۔ اور بڑی قربانی دی۔

اس دوران خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے قدیم متوسلین میں جناب حکیم ایس ایم اقبال، ڈاکٹر پروفیسر عبدالمقیت علیمی، جناب پروفیسر عبدالودود علیمی، مولانا عبدالمتین قریشی، مولانا عطاء الرحمٰن شیرازی، قاری افضال احمد اور مولانا قاری عبدالحلیم جنتی، حضرت اقدس سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ مؤخرالذکر کے ہمراہ این ای ڈی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد بلال عثمانی بھی تھے۔ نیز حضرت مولانا مفتی محمد شاہد بھی ملاقات کے لیے خصوصی طور پر تشریف لائے۔ ان حضرات سے بھی مختلف دینی موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

مؤرخہ 06 اگست جمعۃ المبارک کے روز محترم جناب سید اصغر علی شاہ صاحب پیر جو گوٹھ سندھ سے کراچی تشریف لائے۔ اور بعد نماز جمعہ ان کی صاحبزادی کا نکاح حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھایا۔ اور دعا فرمائی۔ اس موقع پر تمام احباب نے شاہ صاحب کو مبارک باد پیش کی۔

اسی روز بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر کے انعقاد کے بعد اس دورے کی تکمیلی نشست کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں کراچی کے احباب نے بھرپور شرکت کی۔ اس نشست سے حضرت مفتی عبدالخالق آزاد نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر اور تعلیمات سے شعور وآگہی حاصل کرنے کی اہمیت پر خطاب فرمایا۔ اور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے اختتامی دعا فرمائی۔ اور پھر تمام احباب نے حضرت اقدس مدظلہ العالی سے الوداعی مصافحہ کیا۔

مؤرخہ 07 اگست کو شام 07 بجے کراچی سے لاہور واپسی ہوئی۔ اس سے قبل کراچی کے اکثر احباب ادارہ رحیمیہ کراچی میں تشریف لائے اور حضرت اقدس سے الوداعی ملاقات کی۔ جب کہ کچھ احباب ائیر پورٹ پر بھی تشریف لائے۔ اور حضرت اقدس کو الوداع کہا۔ رات 10 بجے لاہور واپسی ہوئی تو لاہور ریجن کے احباب نے حضرت اقدس کا استقبال کیا۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore   رجسٹرڈ نمبر 123-R

کرغیزستان : ایک تجزیہ

مرزا محمد رمضان

کرغیزستان ایشیائے کوچک میں واقع ہے۔ جس کا دارالحکومت بشکیک ہے۔ اس کی کل آبادی 54 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ 2005ء کے اعداد وشمار کے مطابق اس کی برآمدات 4 اَرب ڈالر کے لگ بھگ ہیں۔ جن میں کپاس، تمباکو، سونا، مرکری، یورینیم اور قدرتی گیس وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں کے میڈیکل سائنسز سے متعلقہ ادارے دنیا کے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اوش یونیورسٹی کرغیزستان کے دارالحکومت بشکیک سے بارہ گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں کی اینا ٹمی کی لیبارٹری دنیا کی تیسری بڑی لیبارٹری ہے۔ یہ ملک 1991ء تک سابقہ سوویت یونین کا حصہ تھا۔ اس کے بعد جب نیا سیاسی ڈھانچہ وضع ہوا تو یہ ملک ایک علاحدہ حیثیت سے دنیا کے سامنے آیا۔ 11 ستمبر 2001ء میں امریکہ نے اس ملک کے ایک مقام مناس میں اپنا فوجی بیس قائم کیا۔ افغانستان پر حملہ کرنے والے جہازوں کو یہاں سے تیل فراہم کیا گیا۔ درحقیقت یہ فوجی اڈا اَفغانستان میں تحریک طالبان کو اسلحہ فراہم کرنے والا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مناس میں امریکی فوجی اڈے کے سبب چین اور روس کے ساتھ امریکہ کی کشمکش آج دنیا کے سامنے ہے۔

2009ء میں روس نے کرغیزستان کے لیے 2.1 اَرب امریکی ڈالر کی امداد کا اعلان کیا تو ساتھ ہی اس وقت کے صدر قربان بیگ باقیوف نے امریکی بیس کے بند کرنے کا اعلان کردیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد وہ اپنے اس اعلان سے پلٹ گیا۔ اور دوبارہ امریکہ کے لیے مناس کا اڈا کھول دیا۔ اور کہا کہ امریکہ نے سالانہ رینٹ ایک کروڑ 70 لاکھ امریکی ڈالر سے بڑھا کر 6 کروڑ کردیا ہے۔ اور ساتھ ہی لیز کی مدت بھی جولائی 2010ء تک بڑھادی۔ 18 اپریل 2010ء، بروز منگل سے ملک میں احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حکومت مخالف مظاہروں کی قیادت روضاء ایتنیا بائیوف کررہی تھی۔ 2005ء میں جب عسکرا کیاف کی حکومت کے خاتمے پر ٹیولپ ریولیوشن قائم ہوا تھا تو لوگوں کی اُمیدیں تھیں کہ یہی حکومت ملک کو اس سیاسی کشمکش سے نکال کر استحکام پیدا کرے گی۔ اس کا یہ دعویٰ محض اپنے خاندان کے استحکام تک محدود ہوکر رہ گیا۔ اور گزشتہ 2 سال میں حکومت نے محض میڈیا کو دبا کر اپنے مخالفین کی آوازوں کو خاموش کیا ہے۔

صدر اوباما کے مشیر برائے روس اور یوروایشین جیمز مکسی کے مطابق کرغیزستان کی حالیہ بغاوت کے پیچھے روس کا ہاتھ نہیں ہے۔ البتہ اس بات کے اشارے ملے ہیں کہ باغیوں میں شامل کچھ عناصر کی نگاہیں مناس کے امریکی فوجی اڈے پر لگی ہوئی ہیں۔ برطانوی خبررساں ادارے کے مطابق عبوری حکومت میں آئینی اُمور کے سربراہ عمر بیگ تیکساؤف نے کہا ہے کہ سابق صدر قربان بیگ باقیوف کے جانے سے روسیوں کی خوشی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ اب مناس کا فوجی اڈا، جو امریکیوں کے لیے بیس کیمپ کا ذریعہ بنا ہوا تھا، اس سے طالبان کی افغانستان میں فوجی سپلائی بھی معطل ہوجائے گی۔ البتہ روضاء ایتنیا بائیوف کے بقول اگر عبوری حکومت اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرلیتی ہے تو اس کے لیے امریکی اڈے جیسے مقامی طور پر ٹرانزٹ سیکٹر آمدن کا اچھا ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ اس کے علاوہ امریکہ سالانہ گیارہ کروڑ امریکی ڈالر امداد بھی فراہم کررہا ہے۔ امریکہ کی کوشش ہوگی کہ اس کا یہ اڈا باقاعدہ کام کرتا رہے۔

14 جون سے دوبارہ فسادات کا جو آغاز ہوا ہے، اس نے اُزبک اور کرغیزستان کی سرحد سے متصل علاقوں کو فسادات کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اُزبک نسل کے بہت سے لوگ نقل مکانی کر کے اُزبکستان میں چلے گئے تھے۔ لیکن فسادات کے مدھم پڑنے پر دوبارہ واپس اپنے گھروں میں آچکے ہیں۔ عبوری حکومت، جس کی سربراہ روضاء ایتنیا بائیوف ہیں، نے اعلان کیا تھا کہ وہ چھ ماہ تک انتخابات کروادے گی۔ حکومت کو اندازہ ہوجائے گا کہ آئندہ اسے کن عناصر سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہوگی۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب **مفتی عبدالغنی قاسمی** شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال (1): زید کے چار بیٹے ہیں۔ ان میں سے ایک بیٹے عامر کی شادی ہوئی۔ جس سے اس کی اولاد پیدا ہوئی۔ کچھ عرصے بعد عامر کا انتقال ہوگیا۔ اور عامر کی اولاد زید کی کفالت میں رہنے لگی۔ چند ماہ بعد زید کا بھی انتقال ہوگیا۔ تو کیا عامر کی اولاد اپنے دادا کی وراثت میں حصے دار ہوگی یا نہیں؟

جواب: چچا کی موجودگی میں پوتا اپنے دادا کی وراثت میں حصے دار نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ دادا کو اپنے پوتوں کے لیے وصیت کردینی چاہیے۔ جو ایک تہائی مال تک ہوسکتی ہے۔ اور ایسے ہی اگر ورثا صورتِ حال کو مدنظر رکھتے ہوئے پوتے کو دادا کی وراثت میں حصہ دینا چاہیں تو کچھ حرج نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔

سوال (2): سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

سوال (3): امام نماز میں قرأت کے بعد سیدھا سجدے میں چلا گیا۔ سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا کہ رکوع نہیں کیا۔ تو شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: جب یاد آجائے کہ اس نے رکوع نہیں کیا تھا تو فوراً رکوع میں چلا جائے۔ اور نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

سوال (4): ظہر کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ ساتھ پڑھ لی تو کیا سجدۂ سہو کرنا پڑے گا یا نہیں؟

جواب: ظہر کی آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن اگر کوئی اور سورۃ بھی پڑھ لی تو سجدۂ سہو نہ ہوگا۔ نماز درست ہوجائے گی۔

سوال (5): قضا نمازوں کو پڑھنے کے لیے کون سے اوقات ہیں؟ اعجاز نذیر مہر، لاہور

جواب: سورج کے طلوع وغروب وزوال کے اوقات کو چھوڑ کر باقی تمام اوقات میں قضا نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ نماز کی قضا پڑھنے میں ہرگز تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ نماز قضا ہوجائے تو جلد از جلد قضا نماز پڑھ لینی چاہیے۔

خوش خبری تصوف کے اشغال وآداب پر ایک مستند کتاب کی اشاعت

القول الجمیل فی بیان سواء السبیل تصنیفِ لطیف: حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اُردو ترجمہ: پروفیسر محمد سرور جامعی   تقدیم، تحقیق، تسہیل: مفتی عبدالخالق آزاد

روحانی تعلیم وتربیت سیکھنے اور سمجھنے کے لیے یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ عرصۂ دراز سے اس کی صحیح طباعت نہیں ہورہی تھی۔ اب یہ کتاب سلیس اردو ترجمے کی صورت میں، متن کی تحقیق، احادیث کی تخریج اور حوالہ جات کے ساتھ ''رحیمیہ مطبوعات'' کی جانب سے شائع کی گئی ہے۔ شائقین رعایتی قیمت کے ساتھ ادارہ رحیمیہ میں واقع ''رحیمیہ بک شاپ'' سے حاصل کرسکتے ہیں۔

ضروری اطلاع!

مولانا محمد جمیل صاحب کو ذاتی مصروفیات کے سبب، ان کی اپنی استدعا پر ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) کے تمام شعبہ جات سے سبکدوش کردیا گیا ہے۔ آئندہ ادارہ رحیمیہ کے تمام انتظامی اور مالیاتی امور کے حوالے سے ان سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ کیا جائے۔ ماہنامہ ''رحیمیہ''، سہ ماہی ''شعور و آگہی'' کی ممبرشپ سلپس اور اس کی رقومات کی ترسیل دفتر ادارہ میں ہی کی جائے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org